© rasailojaraid.com

فضل الرحمان

جدید افکار اور معاشرتی اقدار کی طرف سے اسلام کو چیلنج

مغربی معاشروں کے ساتھ مسلمانوں کے اولین ربط سے لے کر اب تک اسلامی معاشرت نے مختلف ممالک میں ایک حد تک مغرب کے وسیع النظر معاشرتی اور ثقافتی اداروں کی طرف قدم بڑھایا اور ان کے مسلک کو قبول کیا ہے۔ لیکن اسلامی ممالک کی وسیع اکثریت اب بھی قرون وسطٰی کے رجعت پسندانہ نظام سے وابستہ ہے۔ یہ بات اس حقیقت کی روشنی میں شاید بظاہر متناقض معلوم ہو کہ ہمارا جدید اصلاح پسندانہ غور و فکر مغرب کے ساتھ رابطے کے آغاز ہی سے بنیادی طور پر سائنسی یا مابعد الطبیعیاتی ہونے کے بجائے معاشرتی نوعیت کا رہا ہے۔

اسلامی معاشرتی اقدار کو صحیح معنی میں مغرب ہی نے چیلنج دیا' اول تو اس لیے کہ مغرب ایک عظیم ترقی پذیر اور پھلتی پھولتی ثقافتی و سیاسی وحدت کی حیثیت سے بجائے خود ایک خطرہ ہے' دوسرے یہ کہ اسلامی معاشرے پر اہل مغرب کی نکتہ چینی بھی ایک طرح کا چیلنج ہے۔ اگرچہ جدت پسندوں سے پہلے کی اصلاح کی مذہبی تحریکیں اسلامی معاشرے کے انحطاط کے شعور کی نقیب تھیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ان کا مقصود اسلام کے اولین عہد کی یاد تازہ کرنا تھا' اس کے باوجود مغرب کے اثر نے اسلامی معاشرے میں ایک نئی روح بیدار کی' اسے ایک روشنی عطا کی' اگرچہ ہمارے ابتدائی جدت پسند مصلح اسلام ہی کے نام پر اصلاحات کی علم برداری کرتے تھے' لیکن درحقیقت ان کے خیالات کا رخ مغرب کے آزادانہ خیالات کی طرف تھا۔

جدت پسند وسیع النظر مصلحوں نے ان اصلاحات کو جنہیں درحقیقت نئے حالات میں اسلام کی سچی تفسیر کہا جاسکتا ہے' جدید رنگ میں کیوں پیش کیا؟ اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ اول یہ کہ یہ مصلح ان اقدار کو خیر مطلق سمجھتے اور ان کی ترقی پسندانہ نوعیت پر یقین رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں اسلام پر بھی گہرا اعتقاد تھا۔ اسلام اپنے عہد زریں میں ایک ترقی پسند قوت تھی اور چونکہ یہ اقدار جو آج ترقی کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں اور معاشرتی خیر کی حامل ہیں' انہیں نہ صرف اسلام کی روح کے مطابق ہونا چاہیے بلکہ حقیقت میں اس کے معاشرتی پیغام کا حامل اور علم بردار ہونا چاہیے۔ دوسرے مصلحین بیرونی نکتہ چینی کے خلاف اسلام کی وکالت بھی کرنا چاہتے تھے اور اسے ایک ترقی پسند طاقت بھی ثابت کرنا چاہتے تھے۔ تیسرے یہ کہ ایسے لوگ دو قسم کے انتہا پسندانہ نتائج سے پہلو تہی کرنا چاہتے تھے۔ اول یہ کہ کہیں مسلمان ترقی پسندی کو قرون وسطیٰ کے اسلام کے نام پر رد نہ کر دیں اور یوں اصلاحات کے مقصد کو صدمہ پہنچائیں اور یقیناً ابتدا میں یہ خطرہ موجود تھا۔ دوسرے یہ کہ کہیں مسلمان نئے ترقی پسندانہ افکار سے متاثر اور مرعوب ہو کر اسلام ہی کو خیرباد نہ کہ دیں۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ معاشرے کا معتدبہ حصہ نئے کلچر کے قریب تر آتا گیا اور اس سے وابستگی پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگا' لیکن ایک ہی نسل گزرنے کے بعد معاشرتی طور پر جدت پسندی کے رجحانات کے خلاف پرزور ردعمل شروع ہوا' میرے نزدیک اس ردعمل کی وجوہات مندرجہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذیل ہیں:-

۱۔ اس پوری داستان میں ایک بہت بڑا محرک نفسیاتی تھا۔ مسلمان مغرب کی معاشرتی اقدار اور طرز زندگی سے اس لیے متاثر ہوئے تھے کہ وہ مغرب کی سیاسی قوت سے مغلوب و مرعوب تھے، لیکن جونہی مغرب کی سیاسی طاقت کا طلسم ٹوٹنا شروع ہوا، مسلمانوں میں خود اعتمادی عود کر آئی اور وہ مغربی تہذیب اور معاشرتی اقدار کی اچھائی کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھنے لگے۔

۲۔ ملت اسلامیہ کو اپنی مغرب زدہ نسل کی طرف سے مایوسی ہوئی، اس لیے کہ ذکاوت اور تخلیقی قوتوں میں وہ مغربی ذہن کی برابری نہیں کر سکی، چنانچہ مغربی اثرات سے جو نتیجے ملت اسلامیہ میں پیدا ہوئے، ان کا ردعمل اچھا نہیں ہوا۔

۳۔ جب مغرب کے معاشرے کا مطالعہ زیادہ قریب سے کیا گیا تو یہ معلوم ہوا کہ ان کے گلشن میں ہر طرف گلاب ہی گلاب نہیں کھلے ہوئے تھے، جیسا کہ ابتدائی جدت پسندوں نے ملت اسلامیہ کو بتانے کی کوشش کی تھی۔ مسلمانوں کے لیے بالخصوص جو چیز زیادہ نفرت انگیز تھی، وہ مغرب میں گھریلو زندگی کے تار و پود کا انتشار اور جنسی اخلاق کی تخریب تھی حالانکہ یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی کہ مغرب میں بھی یہ تبدیلی حال ہی میں ظاہر ہوئی تھی۔

۴۔ ان سب باتوں کے علاوہ مغرب کی روحانی اور ثقافتی زندگی کے زیادہ اہم سرچشمے ---- انسانیت پسندی اور آزاد روی ---- ان دونوں کو پوری طرح سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ آزاد منش جدت پسندوں نے اس قدر دیوانہ وار اور اتنے فیصلہ کن انداز میں مغرب کی معاشرتی و اخلاقی اقدار کو اسلام سے اس قدر ہم آہنگ کرنے کی کوشش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی کہ پوری طرح اس بات کی وضاحت کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی کہ انہیں کیوں اپنانا چاہیے۔

درحقیقت معاشرتی آزاد روی، جس صورت میں کہ وہ مغرب میں پھلی پھولی، منطقی طور پر دو باہم یک جا نہ ہوسکنے والی اقدار کے تابع تھی۔ یعنی انسانیت پسندی اور قومیت پرستی --- انسانیت پسندی سے میری مراد انسانیت پسندی کی انتہائی شکل "کلٹ آف مین" یعنی آدم پرستی نہیں جو تمام اعلیٰ اقدار کو نظرانداز کر دیتی ہے، بلکہ میری مراد اس مثبت رویے سے ہے جو انسان کی ذہنی اور اخلاقی قوتوں میں ایک نیا اعتماد پیدا کرتا ہے۔ مغرب کے تمام جدید سماجی و معاشرتی نظام فکر مثلاً جمہوریت پسندی، سائنس پسندی، آزاد پسندی---- سب ان دو عوامل کے باہمی ردعمل کا نتیجہ تھے---- جن میں سے انسانیت پسندی وسیع تر سماجی و معاشرتی اقدار کو وجود میں لائی تھی اور وطنیت پرستی ان اقدار کو عملی شکل دینے کا ذریعہ بنی تھی۔

سوائے ترکی کے، اسلامی فکر نے بالعموم وطنیت پرستی کے نظریے کو مسترد کر دیا۔ جمال الدین افغانی سے لے کر اقبالؒ تک مسلمان مفکروں نے وطنیت پرستی کے خلاف تبلیغ کی ہے۔ وہ تمام رومانوی جوش اور وفاداری جو مغرب کے تصور قوم میں جذب ہو کر رہ گئی، اسلام کو دے دی گئی یا دینے کی کوشش کی گئی۔ ایسا کرتے وقت اسلام کے ماضی، بالخصوص اس کے عہد زرین کو بڑے رومانوی انداز میں پیش کیا گیا۔ ماضی کے ساتھ اس قسم کی وابستگی کے خطرات اس وقت بہت نمایاں ہوتے ہیں، جب انسان زندگی کے ایک ایسے مرحلے پر کھڑا ہو جس کا رخ انقلاب کی طرف ہو۔ اگرچہ اس قسم کی رومانیت پسندی میں اسلام نے قوم کی جگہ حاصل کر لی اور قوم نے ریاست کی، اور یوں عالم اسلام میں ایک عام اسلامی احساس پیدا ہو گیا، لیکن اس کے باوجود یہ چیز سماجی اور معاشرتی نقطہ نظر سے اب تک ایک تخلیقی قوت نہیں بن سکی۔ حال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی میں عالم اسلام کے ایک بڑے حصے میں قومیت پرستی نے جو مقامی یا نسلی قسم کی ہے، اپنی جگہ بنانی شروع کردی ہے، یا کم از کم وہ اس رومانیت پسندی میں حصہ بٹانے لگی ہے، جو اب تک اسلام کے عہد ماضی سے مخصوص رہی ہے، اب اس چیز کا فیصلہ، کہ یہ نئی قومیت پرستی تنہا یا اسلام کے ساتھ مل کر سماجی و ثقافتی، تخلیقی قوتوں کو جنم دیتی ہے یا نہیں، مستقبل کرے گا۔

جہاں تک انسانیت پسندی کا تعلق ہے جس سے مغرب میں زندگی کے بارے میں ایک مثبت نقطہ نظر کا سرچشمہ پھوٹا، اور جس سے وسیع سماجی و معاشرتی اقدار وجود میں آئیں، اس کے بارے میں ابتدائی جدت پسندوں کا علم بہت جزوی اور محدود تھا۔ اس کی آزاد روی اور جمہوریت پسندی کو اسلام کے ساتھ ملا دیا گیا، لیکن اسکے معاشرتی زندگی کے بارے میں اس کا جو مثبت، تخلیقی نقطہ نظر ہے اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اس سلسلے میں بڑی کاوش سے کام لیا گیا اور آج بھی لیا جا رہا ہے کہ اسلام جمہوریت پسند ہے اور معاشرتی آزاد روی کا علمبردار ہے حتیٰ کہ اس میں عورت اور مرد کی برابری کو تسلیم کیا جاتا ہے یا کم از کم اسلام اس قسم کی اقدار کی اجازت دیتا ہے یا انہیں برداشت کرتا ہے۔ اگرچہ اپنے ابتدائی ایام میں اسلام دنیا میں ایک آزادی پسند قوت تھی، لیکن ان اقدار کی موجودہ شکلوں کے مطالعے کے لیے جو استدلال اختیار کیا گیا وہ ایک حد تک لازماً محکومانہ سا تھا۔ دوسرے یہ کہ ان اقدار کا جواز ماضی کے مثالی سماجی و مذہبی نظام کے حوالے سے مہیا کیا جا رہا تھا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ یہ اقدار لازمی طور پر ایک رعایت کی حیثیت رکھتی تھیں اور انہیں اس لیے اختیار نہیں کیا جا رہا تھا کہ وہ سہل تر تھیں، اس چیز سے یقیناً ان اقدار کے مثبت کردار کو صدمہ پہنچا۔ حالانکہ جدید اسلام اس مثبت تخلیقی نقطہ نظر کو اپنے اندر جذب نہ کرسکا۔

اس انداز فکر کا ایک نمایاں نتیجہ اسلام میں مضبوط تر عقیدے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کے عام باہمی روابط میں استحکام کی صورت میں ظاہر ہو۔ ایک اور نتیجہ جو اتنا ہی اہم ہے، یہ بھی ہوا کہ ہمیں اپنے یہاں سماجی و ثقافتی تخلیقی قوت کا فقدان یا کم از کم تقابلی فقدان ضرور ملتا ہے، جو درحقیقت جدت پسندی کی امنگ کا قدامت پرستی اور رجعت پسندی کے احیاء کے بوجھ تلے دب جانے کے مترادف ہے۔ جدت پسند مسلمانوں کی ابتدائی آزاد روی جلد ہی محض عذر پسندی کی سطح پر آگئی اور خود اعتمادی و نخوت کی نفسیاتی ضروریات کی تسکین کا ذریعہ بن کر رہ گئی اور یوں نئے معاشرتی افکار اور ملت اسلامیہ کے روایتی سماجی اخلاقیات پر نئے سرے سے غور و فکر کی راہ میں دیوار کی طرح حائل ہوگئی۔ نام نہاد جدت پسند جو درحقیقت ایک نقال تھا، فطری طور پر اس تحریک کی زد میں آکر رجعت پسندوں کے بہت قریب آگیا جس کے ساتھ معاشرتی احیائے نو کی تحریک معرض وجود میں آئی۔

اسلام کے جدید سماجی افکار میں ایک بہت بڑا محرک مغرب سے مسلسل مناظرہ بھی رہا ہے۔ سماجی احیائے نو کے معرض وجود میں آنے کے باعث اس مناظرے نے مدافعتی طرز سے ہٹ کر جارحانہ سا انداز اختیار کرلیا۔ مغربی سماج میں آزادی کے غلط استعمال کی نمایاں سماجی برائیوں کو نشانہ بنایا گیا، اس سے مسلمانوں کو نئے سماجی تغیر کے بارے میں خبردار کیا گیا اور اکثر مخفی یا واضح انداز میں اس امید کا اظہار کیا گیا کہ مغرب خود اس راستے کو خیرباد کہنے پر جلد مجبور ہوگا جو اس نے اختیار کر رکھا ہے۔ جہاں تک سماجی تغیر کا تعلق ہے اب تک مسلمانوں نے بالعموم نئے سماج کی جانب یا تو رقیبانہ نگاہ سے دیکھا ہے یا پھر کبھی کبھی بہ نظر ترحم، لیکن نئے سماج کی گتھیوں کو سلجھانے میں عملی تعاون سے کام نہیں لیا۔ اس خیال نے تو ذہنوں میں جگہ بنا لی کہ نیا تغیر ناگزیر ہے لیکن یہ بات پوری طرح نہ سمجھی گئی کہ یہ اس حد تک بنیادی اور انقلابی حیثیت رکھتا ہے کہ اس کے ابتدائی عہد میں جو خرابیاں نمودار ہوئی ان کو تعاون کے ذریعے سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور سماج کی از سرنو تعلیم کے وسیلے سے بہ حیثیت مسائل کے آہستہ آہستہ حل کرنا چاہیے' ان کے سامنے جو شاہراہ تھی وہ قرون وسطیٰ کی طرف رجعت کی شاہراہ تھی۔

احیائے نو کی یہ تحریک فطرتاً" نئے سماجی مسائل پر گرفت حاصل کرنے کا کوئی مثبت اور تعمیری اقدام پیش نہیں کرتی تھی۔ یہ تو معنویت سے خالی محض ایک للکار تھی۔ لیکن عملی سطح پر نئے اثرات اسلامی معاشرے کو متاثر کرتے رہے اور متاثر کر رہے ہیں اور یہ چیز تہذیب جدید کے متعدد سرچشموں کے ذریعے ہو رہی ہے۔ مثلاً ادب' سنیما' ریڈیو اور ذاتی روابط کے ذریعے---- لیکن چونکہ اسلامی افکار میں اب وہ قوت نہیں اس لیے نئے ادارے اور قوتیں سماجی و اخلاقی انداز کے سانچے میں ڈھل نہیں سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قلعہ بند اور غیر متحرک اور لازماً مایوسی کا شکار رجعت پسندی اور میکانکی' غیر تخلیقی اور کسی حد تک مایوسی کا شکار جدت پسندی باہم برسرپیکار ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سماجی ارتقاء خلا میں جنم نہیں لیتا' بلکہ اسے فکری عادات میں تبدیلی کا ایک پہلو بننا چاہیے۔ استقراء اور تجزیے کے ہتھیاروں سے مسلح نئی عادت فکر بنیادی طور پر قرون وسطیٰ کے فکری اطوار سے مختلف ہے۔ ہمارے مفکروں نے مثلاً اقبالؒ نے' جب نئے تجربی اور استقرائی نقطہ نظر کی تعریف کی ہے تو وہ اس انقلابی نوعیت کو سمجھ نہیں سکے۔ فکر کا جدید انداز فطرتاً" کسی ایسے سلسلہ انداز کو برداشت نہیں کرسکتا جو اس بات کا مدعی ہو کہ اس میں تغیر اور ترمیم نہیں کی جاسکتی۔ حالانکہ کسی سلسلہ اقدار کی یہی خصوصیت قرون وسطیٰ کے سماجوں کو ایک سادہ قسم کی یک جہتی کا وصف عطا کرتی تھی۔ تجربیت' انتشار اور ابتری کا نام نہیں ہے جس سے ہمارے مغربی سماج کے نقاد ڈرتے ہیں اور جس خوف کی بنا پر انہوں نے سماج کو مسترد کر دیا ہے۔ درحقیقت تجربیت ایک امتزاجی قانون کی دریافت کا نام ہے اور سماجی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تجربیت اس سے مستثنا نہیں ہے۔ مگر ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ فکری عادات میں تبدیلی تکلیف دہ حد تک سست ہوا کرتی ہے۔ سوچنے کے پرانے اندازوں کی گرفت بتدریج ڈھیلی ہوتی ہے اور وسیع المشرب نظریات کو بے صبری کے ساتھ اور تنگ نظری کے طریقوں سے روشناس کرانا اپنے مقصد کو اپنے ہی ہاتھوں شکست دینا ہے۔

© rasailojaraid.com